OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 https://www.arjicc.com ISSN (PRINT): 2710-0227
DOI: https://doi.org/10.53575/arjicc.v2.03(21)u5.53-68

انتخاب وتعیناتی کا اسلامی نظریہ: ایک تحقیقی جائزہ

Islamic doctrine of selection and appointment: A research Analysis

Dr. Javed khan
Assistant Professor, Islamic Studies, University of Swat.

Hafiz Fazle Haq Haqqani
Lecturer, Islamic Studies University of Swat.

Dr. Qaisar Bilal
Lecturer, Islamic Studies Kohat University of Science & Technology Kohat.

Received on: 05-10-2021 Accepted on: 06-11-2021

Abstract

Responsibility is a necessary element and integral part of life. Everybody has unique role toward society and is subject to do best for that. There are many tasks and challenges to be performed professionally and dealt with well manner. In present day the society faces many problems socially, politically and economically because social evils like injustice, corruption and robbery are overwhelming everywhere. Due to neglecting the basic merit in selection process, ineligible peoples can't meet the needs of society as well as the affected people turn toward evils as thieving, looting and terrorism which destroy the peace of society consequently. Therefore, it is mandatory to be followed the eligibility criteria in selection. It will help to abide by the commandments of Al-mighty Allah on one side, and eliminate the injustice from society on the other side. It is moral obligation of higher authorities to appoint suitable and deserve person for each post to make the society peaceful and prosperous. The present paper discusses the basic characteristics and qualities for rulers and leaders specially, and for each post holder generally in Islamic perspective. If the criteria are adopted across the board, many social crises and problems would be tackled automatically and resolved easily. The society will be able to eliminate the evils, to serve the humanity in achieving the well-being and objectives of life.

Keywords: Responsibility, Selection, Merit, Islamic view, Skills

تعارف:

کسی بھی عہدہ پر تعیناتی کے لئے اس عہدہ کے متعلق خصوصی قابلیت اور اہلیت کے علاوہ چند عمومی خصوصیات اور اَوصاف ایسی ہیں جن کا ہونا ہر قسم کی ذمہ داری اٹھانے اور تعیناتی کے لئے شریعتِ اسلامی میں ضروری قرار دیا گئے ہیں۔ ان خصوصیات کی عدم موجودگی میں کسی کو کوئی اہم عہدہ یا اُمور قیادت وسیادت نہیں سنبھالنے چاہییں۔

ماہرین کے مطابق کسی بھی انسان میں تین طرح کی خصوصیات ہوتی ہیں فطری، اکتسابی اور تعاملی۔ اجتماعی اور فطری خصوصیات جیسے ذہانت، بہادری اور سچائی وغیرہ۔ اکتسابی خصوصیات جیسے ایمان، علم، احساس ذمہ داری اور تعاملی خصوصیات جیسے مہربانی، در گزر کرنا اور دوسروں سے

مشاورت کرنا۔ چونکہ فطری خصوصیات عطیہ خداوندی ہیں۔ان کا حصول انسانی بس کا روگ نہیں۔البتہ اکتسابی اور تعاملی خصوصیات کے حصول میں انسانی فکر اور محنت کا عمل دخل پایا جاتا ہے۔ذیل میں ان تمام خصوصیات کا قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جو کسی بھی تعیناتی کے لئے معیار اور کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ا: علم

علم صفت خداوندی ہے۔اللہ تعالی نے علم ہی کی بنیاد پر انسان کو فرشتوں پر فوقیت اور برتری عطا کی ہے۔ وگرنہ اطاعت اور فرمانبرداری فرشتوں میں انسان کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے۔جب اللہ تعالی نے حضرت انسان کی پیدائش سے قبل فرشتوں سے رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ ۔آپ کیوں ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں دنگا فساد مچائے گا۔اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کرے گا، حالانکہ ہم تیری تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں۔اللہ پاک نے ان سے کہا کہ تم میری حکمتوں کو نہیں جانتے اور اس کے بعد آدم علیہ السلام کی علمیت ان کے سامنے ظاہر کردی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے ناموں کی تعلیم دی تو انہوں نے وہ سارے نام یاد کر لئے اور بحکم خداوندی ان کے سامنے بتلادیے۔ گویا اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کرنے کی حکمت صفت علمیت قرار دی۔علامہ رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:

"هَذِهِ الْآيَةُ دَالَّةٌ عَلَى فَضْلِ الْعِلْمِ فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ مَا أَظْهَرَ كَمَالَ حِكْمَتِهِ فِي خَلْقِهِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا بِأَنْ أَظْهَرَ عِلْمَهُ - فَلَوْ كان في الإمكان وجود شيء من العلم أَشْرَفَ مِنَ الْعِلْمِ لَكَانَ مِنَ الْوَاجِبِ إِظْهَارُ فَضْلِهِ بِذَلِكَ الشَّيْءِ. لَا بِالْعِلْمِ[1]"۔اس سے پتہ چلا کہ اگر علم سے اشرف وارفع کوئی چیز ہوتی تو اللہ تعالی اسے وجہ افضیلت گردانتے، لیکن اللہ نے علم کا انتخاب کیا تو معلوم ہوا کہ علم سے بڑھ کر کوئی نعمت اور دولت نہیں ہے۔اس کے علاوہ علم کی فضیلت پر قرآن وسنت کے کئی نصوص وارد ہوئے ہیں۔

قرآن کریم کی کئی آیات میں علم اور اہل علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ"[2] اے پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے۔ کیا جو لوگ جانتے ہیں وہ برابر ہیں ان لوگوں کے ساتھ جو نہیں جانتے۔ ہرگزیہ دونوں برابر نہیں۔اسی طرح ایک اور جگہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔ "يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ "[3] کہ اللہ تعالی نے تم میں اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کئے ہیں۔لہذا معلوم ہوا انبیاء کے بعد علماء تمام انسانوں میں سے افضل ہیں۔علامہ وھبہ الزحیلی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"وهذا يدلّ على تفضيل آدم على الملائكة واصطفائه، بتعليمه ما لم تعلمه الملائكة، فلا يكون لهم فخر عليه[4]". کہ یہ آیت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر تعلیم کی وجہ سے فضیلت اور فوقیت ظاہر کرتی ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ [5]

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے داود اور سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا کیا ہے۔اور ان دونوں نے کہا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے مومنین بندوں میں سے بہت ساروں پر فضیلت عطا کی ہے۔امام قرطبیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔"وَفِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى شَرَفِ الْعِلْمِ وَإِنَافَةِ مَحَلِّهِ وَتَقَدُّمِ حَمَلَتِهِ وَأَهْلِهِ، وَأَنَّ نِعْمَةَ الْعِلْمِ مِنْ أَجَلِّ النِّعَمِ وَأَجْزَلِ الْقِسَمِ، وَأَنَّ مَنْ أُوتِيَهُ فَقَدْ أُوتِيَ فَضْلًا عَلَى

كَثِيرٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ"[6] اس آیت میں علم اور اہل علم کا شرف اور فضیلت ظاہر کی گئی ہے اور یہ کہ علم کی نعمت سب سے بڑی نعمت اور بہترین عطیہ ہے۔ اور جس کو علم عطا کیا گیا اس کو دوسرے انسانوں پر بہت بڑا فضل عطا کیا گیا ہے۔ ایک اور آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے داود علیہ السلام کو بادشاہت بھی عطا کی تھی۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا [7] کہ داود علیہ السلام کو ہم نے اپنی طرف سے فضل عطا کیا تھا۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "ان الله جَمَعَ لعبده داود بَيْنَ النُّبُوَّةِ وَالْمُلْكِ الْمُتَمَكِّنِ[8]" کہ اللہ نے اپنے بندے داود کیلئے نبوت اور بادشاہت دونوں عطا کی تھیں۔ بلکہ پہاڑ جیسی عظیم مخلوق بھی اس کے تابع بنادی گئی تھیں۔ اور لوہا اس کیلئے نرم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ داود اور سلیمان علیہ السلام دونوں کو اللہ نے لوگوں کا دینی اور روحانی پیشوا بنانے کے ساتھ ساتھ دنیاوی عزت بھی دی تھی۔ یعنی نبوت و علم کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی تھی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔"وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ"[9] کہ اللہ نے داود علیہ السلام کو بادشاہت، حکمت یعنی نبوت اور علم عطا کیا تھا۔

اسی طرح ایک عہدیدار اور امیر کے لئے علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ [10] - کہ جب یوشع بن نون علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالی نے طالوت کو تمہارے بادشاہ مقرر کیا ہے تو انہوں نے کہا: کہ وہ کیسے ہم پر بادشاہ بن سکتا ہے؟ حالانکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں جبکہ اس کے پاس تو مال بھی نہیں ہے۔ پیغمبر نے کہا۔ اللہ نے اسے تمہارے درمیان منتخب کر دیا ہے۔ اور اللہ نے اسے علم اور جسامت میں تم سے زیادہ عطا کیا ہے۔ اللہ اپنی بادشاہت جس کو چاہئے دے دیتا ہے، کیونکہ اللہ وسیع علم والا ہے۔ اس آیت میں تو صراحۃ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسے بادشاہت علم کی بنیاد پر عطا کی گئی ہے۔ جب قوم کو تعجب ہوا کہ بادشاہت تو یھودا ابن یعقوب علیہ السلام اور نبوت لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کیلئے مخصوص ہے جبکہ طالوت بنیامین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ فقیر بھی ہے تو اسے کس طرح بادشاہ بنادیا گیا؟ تو پیغمبر نے کہا۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے پسند کرے اسے نبی اور بادشاہ بناتا ہے۔ اور چونکہ اللہ نے اسے بادشاہت کے امور یا نبوت کے فرائض کا عالم بنایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے جسمانی طور پر اونچا اور بارعب بنایا ہے۔ اس لئے وہ فقیر ہونے کے باوجود نبوت و بادشاہت کے زیادہ مستحق ہے[11]۔

اسی طرح حضرت عمر فرماتے تھے کہ سردار اور قائد بننے سے پہلے سمجھ بوجھ حاصل کر لیا کرو یعنی کسی بھی منصب پر براجمان ہونے سے قبل اس کے متعلقہ امور کو اچھی طرح حاصل کیا کرو۔ کیونکہ ایک زیرک اور باخبر شخص ہی اپنے فرائض کو احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ اگر اپنے فرائض کا علم نہ ہو تو ان سے عہدہ برآ ہونا تو در کنار، ان کی ادائیگی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جیسے کہ حضرت عمر کی یہ اثر منقول ہے۔ عَنِ الْأَحْنَفِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: [تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تَسُودُوا] [12] کہ سیادت و قیادت سے پہلے سوجھ بوجھ اور تعلیم حاصل کیا کرو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارتِ خزانہ مانگتے وقت اپنی اہلیت کے ساتھ مذکورہ علم کو بھی بنیاد بنایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانی یہ ارشاد فرمایا: قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ [13] کہ مجھے زمین کے خزانوں کا نگران مقرر کر دیجئے کہ میں

حفاظت کرنے والااور جاننے والاہوں۔

۲:امانت

امانت کی صفت سے ہر ایمان والے کے لئے متصف ہوناضروری ہے لیکن ایک ذمہ داراور عہدیدار کیلئے دوسری صفات کے ساتھ ساتھ امانت داری کی صفت انتہادرجے کی اہم ہے کیونکہ ایک شخص چاہے جتنا بھی سمجھدار اور داناہو جب تک اس کی نیت اور اس کا طرز عمل درست نہ ہو وہ اپنے عہدے کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا۔کیونکہ محض عالم ہوناکافی نہیں جب تک کہ ارادے میں خیر خواہی کا جذبہ کارفرمانہ ہو۔اسی لئے موسی علیہ السلام کوذمہ داری سونپنے سے قبل شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے والد سے بطور سفارش کہا تھا کہ آپ ان کو بکریوں کے دیکھ بھال کیلئے منتخب کرلیں کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں۔لہٰذا یہ دوصفات ایسی ہیں جن کی بناءپر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کاانتخاب فرمایااور ۱۰ سال کی نوکری کے بعد ان کواپنی بیٹی کے ساتھ نکاح بھی کروایا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کانمازاور روزہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے، جو چاہئے نماز پڑھے اور روزہ رکھے لیکن اس شخص کے دین کا کوئی اعتبار نہیں جو امانت کاخیال نہیں رکھتا۔یعنی کسی شخص کا نماز وروزہ اس بات کی علامت نہیں کہ وہ دیندار ہے، بلکہ اصل دینداری یہ ہے کہ انسان کے اندر امانت داری پائی جائے۔فرمان نبوی ہے۔ عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَغُرَّنَّ صَلَاةُ امْرِئٍ، وَلَا صِيَامُهُ، مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ صَلَّى، وَلَكِنْ لَا دِينَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ[14]۔

دوسری حدیث یہ ہے "لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ له[15]" اس شخص کاایمان معتبر نہیں جوامانتداری کاخیال نہیں رکھتا۔یہ حدیث بھی اوپر والی حدیث کے مفہوم میں داخل ہے۔اسی طرح ایک اور حدیث میں آتاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں گفتگو فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی آیااور پوچھا: یارسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپ علیہ الاسلام نے اپنی بات جاری رکھی، جب بات مکمل کی توفرمایا کہاں ہے قیامت کاپوچھنے والا؟ پھر ارشاد فرمایا جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کاانتظار کرو۔اس نے پوچھا کہ امانت کاضیاع کیاہے؟ توآپ علیہ السلام نے ارشادفرمایا۔جب ذمہ داری نااہل کوسونپ دی جائے تو قیامت کاانتظار کریں۔فرمان نبوی حسب ذیل ہے۔قال رسول الله صلي الله عليه وسلم –قال: "إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة" قال يا رسول الله كيف أو قال: ما إضاعتها؟ قال: "إذا توسد الأمر غير أهله فانتظر الساعة[16]"

۳:مشورہ

کسی بھی ذمہ داری اٹھانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ذمہ دار اور عہدیدار اپنے رعایااور ماتحتوں سے مشورہ کرے۔اور مشورہ کرنااتنااہم ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالی نے باوجود علیم وخبیر ہونے کے اپنے فرشتوں سے رائے مانگی تاکہ ان کاموقف سامنے آجائے۔جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکاہے کہ انسان کی تخلیق سے قبل اللہ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کرناچاہتاہوں۔آپ کی کیارائے ہے؟اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ معاذاللہ اللہ پاک کوان کی رائے کی ضرورت تھی۔بلکہ فرشتوں کی دلجوئی اور اتمام حجت کی خاطر پوچھا۔اسی طرح اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایاکہ ہر اہم کام سے قبل اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیاکرو حالانکہ نبی کریم ﷺ کے تمام کام بذریعہ وحی انجام پاتے

تھے[17] اس کے باوجود مشورہ کی اہمیت بیان کرنے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کہ اے نبی علیہ السلام اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کرو۔اسی وجہ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ سے زیادہ اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں جانتا۔روایت ہے۔"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَداً أَكْثَرَ مَشُورَةً لأَصْحَابِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[18]" ۔اسی طرح امام ضحاک فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جب بھی اپنے نبی سے مشورہ کرنے کا کہا ہے اس میں خیر ہی سامنے آیا ہے۔ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ صرف تعلیم امت کی خاطر سنت قائم کرنے کی غرض سے مشور کیا کرتے تھے[19]۔ چنانچہ ایک قائد اور ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرنا اور ان کی رائے معلوم کرنی چاہئے۔اور اس رویے کا کسی کے انتخاب میں بڑا عمل دخل ہے۔کیونکہ کوئی انسان چاہے کتنا ہی باشعور اور عقلمند کیوں نہ ہو،اس کی سوچ کا اپنا ایک دائرہ کار ہوتا ہے،وہ ایک خاص خول میں رہ کر مخصوص نہج پر ہی سوچ سکتا ہے۔اگر وہ کسی اور سے بھی مشورہ طلب کرے گا تو کوئی نئی اور بہتر بات سامنے آسکتی ہے۔پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ان کے متعلق اللہ رب العزۃ یوں بیان فرماتے ہیں۔{وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ[20]} کہ ان کا معمول باہمی مشورے کا تھا جبکہ ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرو اور ان کی آراء جان لیا کرو۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے۔{وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ[21]} کہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ اہم امور میں مشورہ کیا کرو۔اسی طرح ملکہ بلقیس ایک بادشاہ تھی جب سلیمان علیہ السلام نے ان کو دعوت ایمان دی تو انہوں نے اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کو بلا کر ان سے اس بابت رائے مانگی۔لہذا قرآن کریم اس واقعہ کو ان خوبصورت الفاظ میں یاد کرتا ہے اور یہ فرمایا کہ میں خود فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم مجھے اپنی اپنی آراء سے آگاہ نہ کردو گویا مشورہ کر کے اپنے ماتحتوں کو اعتماد میں لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ملکہ بلقیس کی قائدانہ صلاحیتوں کی تعریف فرمائی ہے ۔چنانچہ باری تعالی ہے۔ {قَالَتْ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ[22]} چنانچہ مشورے کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں کئی اذہان کی فکر مندی سامنے آتی ہے۔اور یہ بات مسلم ہے کہ ایک کی بجائے دو،دو کی بجائے تین افراد کی فکر مندی کارآمد ہوتی ہے۔جو کہ قرآن پاک کی تعلیم بھی یہی ہے: ان تقوموا لله مثنیٰ وفرادای ثم تتفکروا[23]

محمد ابن جریر الطبری درجہ بالا سورۃ آل عمران والی آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الاسلام کو مشورے کا حکم امت کی تلقین اور تعلیم کے طور پر تھا تاکہ وہ سنت نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اہم امور میں مشورہ کر لیا کریں[24]۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ جب ایک مسلمان دوسرے سے مشورہ لیتا ہے تو وہ اس کو بھلی اور اچھی بات کا مشورہ دیتا ہے جو وہ اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے۔کیونکہ حدیث کے مطابق جس سے مشور لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔اگر وہ صحیح مشورہ نہ دے تو وہ خائن شمار ہوگا جیسے کہ ارشاد نبوی ہے۔ "المستشارُ مؤتَمَنٌ[25]" اگر مستشار مناسب سمجھے تو اس کام کے کرنے کا مشورہ دے اور اگر مناسب سمجھے تو نہ کرنے کا مشورہ دے۔

۴: عفو و درگزر

کسی شخص کے کسی بھی ذمہ دار عہدہ میں انتخاب کے لئے عفو و درگزر کا بھی کلیدی کردار ہے،جس کی بناء پر وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ نرمی اور صبر و تحمل سے پیش آتا ہے۔اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی! اللہ نے اپنی رحمت کے طفیل آپ

کو نرم مزاج بنایا۔اگر آپ تند خو اور درشت مزاج ہوتے تو لوگ آپ کے پاس آنے سے دور بھاگتے، پس آپ ان کو معاف کیا کریں اور ان کیلئے مغفرت مانگا کریں۔ارشاد باری تعالی ہے{فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ[26]}۔اسی طرح صبر و تحمل اور برداشت ایک ایسی اعلی صفت ہے جو کئی صفات کو اپنے دامن میں لئے ہوئی ہے۔اسی طرح فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے{إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ[27]}کہ نرمی جس چیز میں بھی پائی جائے اسے خوبصورت بنادیتی ہے اور نرمی جس چیز سے بھی کھینچی اور نکالی جائے،اسے بد نما بنادیتی ہے۔لہذا ایک ذمہ دار شخص اور قائد کیلئے انتہائی بردبار، ملنسار اور ٹھنڈے دماغ کا مالک ہونا چاہیئے۔چنانچہ اس صفت اور خوبی کے سامنے بڑے بڑے مسائل اور مصائب بھی ہیچ ہیں۔اور اللہ کی مدد و نصرت صابرین کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے۔{إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ[28]} کہ اللہ تعالی کی مدد ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے چاہئے وہ جتنی بھی مصائب کا سامنا کریں، ان کا انجام مآل کار اچھا اور بہتر ہوتا ہے اور کامیابی ان کے قدم چومتے ہوئے انہیں کامرانی سے ہمکنار کردیتی ہے۔عفو و درگزر حسن اخلاق کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے متعلق فرمایا:"انک لعلی خلق عظیم (حوالہ) گویا اچھے عادات اور عمدہ اخلاق نبوت کی اعلیٰ خصوصیات ہیں اور نبی اپنی قوم کا قائد اور راہنما ہوتا ہے،ایک قائد کو اپنی زندگی کا ہر پہلو اخلاقی اقدار کے خطوط پر استوار رکھنا چاہئے کیونکہ حسن اخلاق ہی قیادت و سیادت کو مستحکم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

۵:بہادری اور شجاعت

ذمہ داری اور قیادت کے نمایاں اوصاف میں سے بہادری اور شجاعت بھی ہے۔کیونکہ بزدل اور ڈرپوک ہونا ایک عیب اور نقص ہے۔جبکہ دلیر اور شجاع ہونا ایک عطیہ خداوندی ہے۔اس دنیا میں ایک انسان کو مختلف حالات اور مراحل سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ مشکلات اور تکالیف سے گزر کر ہی انسان اپنی منزل پر پہنچتا ہے اور کوئی بھی انسان سونے کی چمچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوتا۔اور نہ ہی زندگی پھولوں کا نرم بستر ہوا کرتی ہے بلکہ عموما یہ کانٹوں کی پرخار وادی واقع ہوا کرتی ہے جس پر چلنا ہر کس و ناکس کی بس کا روگ نہیں ہوتا۔چنانچہ وہ ذات جو ہمارے لئے مکمل راہنما کی حیثیت رکھتی ہے اس کے متعلق فرمان ربانی ہے کہ اے نبی مومنین کی جہاد اور قتال پر ہمت بندھائے۔ارشاد باری ہے۔{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ[29]} اور ظاہر ہے کہ پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ خود عزم واستقلال کا کوہ گراں تھے۔چنانچہ حالت جنگ اور حالت امن دونوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانمردی اور بہادری مثالی تھی۔غزوہ احد والے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری اور جانثاری کا واقعہ حضرت عکرمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں نقل فرماتے ہیں{عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: قَالَ لِي عَلِيٌّ: لَمَّا انْجَلَى النَّاسُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ نَظَرْتُ فِي الْقَتْلَى --- فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ[30]}

حضرت علی فرماتے ہیں غزوہ احد میں جس وقت لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوگئے، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہداء میں دیکھا، وہاں نہیں پایا تو میں نے کہا اللہ کی قسم یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ علیہ السلام لڑائی سے بھاگ گئے ہوں جبکہ دوسری میں انہیں شہداء میں

بھی نہیں پار ہا، چنانچہ لگتا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہماری کمزوری کی وجہ سے ہم سے ناراض ہو کر اپنے پیغمبر کو اٹھالیا ہے۔ لھذا میں نے کہا اب اسی میں خیر ہے کہ تلوار لے کر دشمنوں میں گھس جاؤں اور شہادت ملنے تک لڑتا رہوں۔ جب میں دشمن پر حملہ آور ہوا تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مجمع میں سے نمودار ہو گئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذمہ دار اور قائد کو بہادر اور دلیر ہونا چاہئے کہ اس کے قدم کسی بھی مشکل میں متزلزل نہ ہوں بلکہ وہ صبر و تحمل کا جبلِ استقامت بن کر کھڑا رہے۔ وہ حالات کے قدموں میں گرنے والا نہ ہو بلکہ وہ اپنے موقف پر ڈٹنا جانتا ہو۔ اور اس کے اندر باد مخالف سے ٹکر لینے کی ہمت اور حوصلہ پایا جاتا ہو۔

۶: انصاف پسندی

راہ نمائی اور قیادت کے نمایاں اوصاف میں سے ایک وصف، انصاف پسندی بھی ہے۔ کیونکہ عدل وانصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے لئے بہترین اور کامل نمونہ ہے، ان کی مزاج مبارک میں عدل وانصاف کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا۔ چنانچہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ مساوات اور انصاف کا درس دیا ہے۔ اور مسلمانوں کے مقتدا اور پیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے عملی مجسمہ تھے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے۔ {وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى[31]}

اللہ پاک مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت تمہیں ناانصافی پر مجبور نہ کرے، تم ہمیشہ عدل وانصاف کرو، یہ تقوی اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح ایک چشم کشا واقعہ ہمیں آپ علیہ السلام کی حیات طیبہ سے یوں ملتا ہے۔ قبیلہ مخزومیہ کی ایک عورت نے چوری کی، چونکہ وہ ایک معزز گھرانے کی خاتون تھی لہذا قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ نہ کاٹے جانے کی سفارش کیلئے اسامۃ بن زید کو بھیجا، آپ علیہ السلام نے جب ان کی بات سنی تو فرمایا کہ اے اسامہ کیا تم اللہ کے حدود میں بھی سفارش کرتے ہو؟ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا[32]۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی نظر میں اصول انصاف اور اس کے قوانین کی کتنی اہمیت تھی؟ مزید برآں اس کے نفاذ میں آپ علیہ السلام کس قدر سنجیدہ اور مخلص ہوا کرتے تھے۔

۷: تحقیق جستجو

کسی ذمہ دار اور قائد کو زندگی میں کئی ایک مسائل کا سامنا ہوتا ہے اس لئے مسائل میں گھر کر بلا تحقیق فیصلے کرنا ندامت اور جہالت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لئے کسی مسئلے کی تحقیق کرنا اور اس کی جڑ تک پہنچنا انتہائی اہم اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ سطحی طور پر حل ڈھونڈ نکالنے سے مسائل جوں کے توں رہتے ہیں جو دیرپا نہیں ہوتا۔ لہذا ایک نمایاں خوبی جو کسی بھی ذمہ دار شخص میں ہونی چاہئے وہ تحقیق اور تنقیح ہے۔ اگر سیرت طیبہ میں دیکھا جائے تو آپ علیہ السلام کا عمل واضح ہے۔ چنانچہ سورہ حجرات کی آیت "فتبینوا" کے شان نزول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس شخص کے بات کی تحقیق کیلئے خالد بن ولید کی نگرانی میں ایک لشکر روانہ فرمایا۔ جنہوں نے تحقیق فرما کر واضح کر دیا کہ اس واقعے کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ذمہ داری نبھانے کے لئے تحقیق و تدقیق بنیادی وصف ہے۔

۸۔ جذبہ خدمتِ انسانیت

کسی بھی قائد اور ذمہ دار کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس کے اندر اپنی قوم و مذہب کے افراد کے علاوہ تمام انسانیت کی خدمت کا جزبہ صدقِ دل کے ساتھ موجود ہو اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ، وَسَاقِيهِمْ آخِرُهُمْ شُرْبًا»[33]

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے اور ان کو پلانے والا سب سے آخر میں پینے والا ہوتا ہے۔

خدمت انسانیت کے جذبے کی وجہ سے اس میں رواداری کا عنصر از خود پیدا ہو جاتا ہے اس طرح وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ ساتھ دیگر اہل مذاہب کے ساتھ بھی انسانیت کی بنیاد پر حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے اگر وہ ان کے ماتحت ہوں تو ان کو اپنے جسم و جان کی طرح سمجھتا ہے اور اگر ماتحت نہ ہوں تو انسانیت کی وجہ سے ان کا احترام کرتا ہے۔ ان کے ساتھ مذہبی اور ایمانی اختلافات اس کو رواداری سے ہٹا نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نے دیگر اقلیتوں کے اپنے حقوق بیان فرمائے ہیں اور ان کے خداوؤں کی اہانت اور گالم گلوچ سے منع فرمایا ہے: چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: [وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[34]]۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے لوگون کے ساتھ حسنِ سلوک کا درس دیا ہے جیسے کہ وفدِ نجران کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا حسنِ سلوک واضح ہے جب اس وفد نے آکر آپ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ کی روح اور کلمہ ہے۔ انہوں نے کہا اگر ایسا نہ ہو تو (معاذ اللہ) ہم آپ پر لعنت بھیج سکتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا کرنا تمہیں پسند ہو تو بے شک۔ انہوں نے کہا جی ہمیں پسند ہے۔ پس آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے اور حسن و حسین کو اپنے پاس بلایا۔ تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ تم لوگ اس شخص پر لعنت مت بھیجو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کروگے تو اللہ کی قسم کوئی ایک فریق ضرور زمین میں دھنس جائے گا۔ لہذا ان لوگوں نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے کچھ بے وقوفوں نے یہ بات کی تھی ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے ان کو معاف کر دیا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم ایسا کرتے تو عذاب نازل ہو جاتا تم پر[35]۔

۹: صدق و وفا

کسی بھی شخص کے لئے سچ بولنا اور وعدہ کی پاسداری اہمیت کی حامل صفات ہیں لیکن ایک ذمہ دار اور قائد کے لئے سچائی اور عہد و وفا کا خیال کرنا انتہائی درجے کی اہم صفات ہیں کسی عہدیدار اور قائد میں عہد و وفا اور سچائی جیسی صفات نہ ہوں تو اس کے ماتحتوں اور عوام الناس کا اپنے قیادت پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سچائی اور وعدے کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے کفارِ مکہ صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد اور امانت جیسی صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔[36] اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "عہد کو پورا کرو، کیوں کہ قیامت کے دن عہد کے بارے میں انسان جواب دہ ہوگا۔"[37]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے ذریعے بھی ایفائے عہد کی اہمیت اور وعدہ خلافی کی برائی کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اگر امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[38] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں ایفائے عہد اور سچ بولنے کی کس قدر اہمیت تھی۔

۱۰: حکمت

عقل وحکمت قیادت اور ذمہ داری کی بڑی شرط ہے تاکہ ایک قائد اور ذمہ دار اپنے فرائض منصبی سے اچھے طریقے سے عہدہ برآں ہو سکے اور اپنے ماتحتوں کو سہولت دے سکے۔ حکمت کا لفظ قرآن کریم میں گیارہ بار استعمال ہوا ہے، جس کے کئی ایک مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ امام اصفہانیؒ (۵۰۲) فرماتے ہیں:

هو علم يبحث فيه عن حقائق الأشياء على ما هي عليه في نفس الأمر بقدر الطاقة البشرية[39]

یعنی حکمت وہ علم ہے جس میں اشیاء کی حقیقت سے انسانی طاقت کے بقدر بحث کی جاتی ہے۔

البحر المحیط میں ہر چیز کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کو حکمت کہا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

الحكمة، وَهِيَ وَضْعُ الشَّيْءِ مَوْضِعَ مَا يَلِيقُ بِهِ[40]

اسی طرح حکمت کے معانی میں سنت، نبی کریم ﷺ کا بیان، دین کی سمجھ، قرآن کی سمجھ وغیرہ یہ سارے معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں[41]۔

کسی بھی عہدہ اور ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے حکمت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں اس کا ذکر کیا ہے کہ ان میں رسول ایسا بھیج دے جس کو دوسری صفات کے ساتھ حکمت بھی عطا ہو۔[42] اس طرح داؤد علیہ السلام کی بادشاہت کے ساتھ حکمت کی نعمت کا تذکرہ ہے[43] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے حکمت کو بہت زیادہ خیر کے برابر قرار دیا ہے کہ جس کو حکمت ملی اس کو بہت زیادہ خیر مل گیا[44]۔ صبر وتحمل کے ساتھ دوسرے لوگوں سے اس انداز سے معاملہ کرنا کہ ان کی دل آزاری بھی نہ ہو اور شریر لوگوں کے شر سے بھی محفوظ رہا جا سکے یہ معاشرتی حکمت ہے بغیر اس کے کہ کسی کو دھوکہ دیا جائے یا منافقت کی جائے گویا مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ معاملات اچھے طریقے سے ادا کرنا حکمت ہے۔ یہ وصف ایک ذمہ داری کو پورا کے لئے بے حد ضروری ہے اس لئے کہ عہدیدار اور ذمہ دار مختلف المزاج لوگوں سے کام لیتا ہے اور اس کے لئے بغیر حکمت کے کام لینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔

۱۱: مہارت وتجربہ

کسی بھی عہدہ اور ذمہ داری کو سونپنے سے پہلے اس متعلقہ شخص میں مطلوبہ ذمہ داری کی باقی اہلیتوں کے ساتھ ساتھ اس ذمہ داری کی مہارت اور تجربہ کاری کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگر کسی عہدیدار میں متعلقہ ذمہ داری کی مہارت نہ ہو تو وہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی بجائے ادارے کی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل اور ماہر ہونے کی وجہ سے خزانہ کا مطالبہ کر دیا چنانچہ ان کی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے: اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم[45] اس کی تفسیر میں امام طبریؒ نے لکھا ہے کہ حفيظ لما وليت، عليم بأمره یعنی ان کو اس کام کا تجربہ ہے کہ وہ حساب کا ماہر اور مختلف زبانوں کو جاننے والا ہے[46]۔

اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نوکری پر رکھنے کی سفارش کی توانہوں نے بھی کام کرنے کی قوت وامانت کو بنیاد بنا کر بات کی تھی۔[47]

جس کی وضاحت مفتی محمد شفیعؒ نے یوں فرمائی ہے: کوئی ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کے لئے یہ دو شرطیں نہایت ضروری ہیں ایک اس کام کی قوت وصلاحیت کا ہونا اور دوسری امانتداری۔ یہ وہ حکمت والی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر جاری فرمائے[48] (اس کے برعکس نااہل اور غیر متعلقہ شخص کو کوئی عہدہ یا ذمہ داری سپرد کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "إذا وُسِّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة[49]"

اسی اہمیت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے ہر عہدہ اور ذمہ داری کے لئے اسی میدان کے اہل حضرات کی تعیین فرمائی تھی۔ چنانچہ عمرؓ کو صدقات جمع کرنے کی ذمہ داری، خالد بن ولیدؓ کو عسکری قیادت، معاذ بن جبلؓ کو یمن کی ولایت اور گورنری، بلالؓ کو بیت المال کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دینا اس کے چند ایک نمونے ہیں۔ اسی طرح ابو بکر صدیقؓ نے قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کو ان کی مہارت اور فطانت کی وجہ سے دی تھی[50]۔

۱۲: احتساب کا تصور اور احساسِ ذمہ داری

شریعت مطہرہ میں ہر شخص کو اپنے احتساب اور محاسبہ کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ عہدہ اور منصب اعلی، متوسط یا ادنی سطح کا ہو، بلا تفریق و امتیاز متعلقہ ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دینا اس شخص کا بنیادی فرض ہے۔ اسے اپنے فرائض کی انجام دہی کا بھرپور احساس ہونا چاہئے۔ اپنے اختیارات کا جائز استعمال اور متعلقین کی دادرسی اس کا مشن اور مطمح نظر ہونا چاہئے۔ ایک ایک پائی کا حساب دینے کیلئے اسے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے۔ اس مقصد کیلئے اسے اپنے دائرہ اختیار سے بخوبی واقف ہونا چاہئے۔ کسی بھی کوتاہی اور غفلت سے کوسوں دور رہ کر امور اور مشاغل کو شائستگی اور وقار کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے تاکہ متفوضہ امور میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو۔ فرمان نبوی علیہ السلام ہے کہ تم میں سے جس کو ہم کسی کام پر مقرر کردیں، پس وہ اس میں سے ایک دھاگہ یا اس سے بھی کم کوئی چیز چھپادے تو یہ اس کی خیانت شمار ہوگی اور وہ روز قیامت اس کا حساب دے گا۔ پس ایک انصاری شخص کھڑا ہوا گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اور کہا یارسول اللہ۔ جو کام آپ نے میرے حوالے کیا ہے وہ واپس لے لیجئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں تو اب بھی یہ کہہ رہا ہوں۔ سنو خبردار جس کو ہم کسی کام پر مقرر کردیں پس وہ اسے لے آئے چاہئے تھوڑا یا زیادہ۔ تو جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جو منع کیا جائے اس سے باز آجائے[51]۔

اسی طرح ابو حمید الساعدی فرماتے ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو عامل مقرر کیا تو اس نے کہا: "یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے دیا گیا ہے، لہذا رسول خدا نے اٹھ کر خدا کی تعریف کی، پھر ثناء بیان کیا،" پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا "ان عاملین کو کیا ہو گیا ہے؟ جنہیں ہم بھیجتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: یہ آپ کے لئے ہے اور یہ میرے لئے وقف ہے؟ وہ اپنے والد اور والدہ کے گھر کیوں نہیں بیٹھتا، تب وہ دیکھے گا کہ اسے تحفہ ملتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ تم میں سے کوئی شخص بھی دنیا میں کوئی (اموال زکوۃ یا غنیمت میں خیانت کرکے) کوئی چیز (اونٹ، گائے یا بکری) نہیں لے گا، مگر قیامت کے دن اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے گا، اگر

(دنیا میں غیر شرعی طور پر لیا ہوا جانور) اونٹ ہو تو وہ جانور اونٹ کی، گائے ہو تو گائے اور بکری ہو تو بکری کی آواز نکالے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اتنے اٹھائے کہ ہمیں آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔[52]

اسی طرح فرمان نبوی ہے۔

" تم میں سے ہر ایک نگران ہے۔اور ہر ایک سے اس کی نگرانی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے۔ اگر اس کی بیوی نہ ہو تو وہ کسی عورت سے شادی کرے، جس کا گھر نہ ہو وہ گھر بنالے، جس کی سواری نہ ہو وہ سواری لے لے جس کا کوئی نوکر نہ ہو وہ نوکر بنادے۔ پس جس نے اس کے علاوہ خزانہ سے لیا یا کوئی اونٹ لیا وہ روز محشر چور بن کر آئے گا"[53]۔ صحابہ کرام میں سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمعل تھا کہ وہ جو کھاتے اپنے غلام کو بھی کھلاتے، جو پہنتے اسے پہناتے، چنانچہ المعرور بن سوید فرماتے ہیں کہ میں نے ابوذر غفاری کو دیکھا کہ انہوں نے ایک جبہ پہنا ہوا ہے اور اس کے غلام نے بھی جبہ پہنا ہے تو میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو برا بھلا کہا تھا، اس نے حضور پاک علیہ السلام سے میری شکایت فرمائی۔ اپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلایا ہے؟ پس فرمایا کہ تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے تمہیں ان پر قدرت بخشی ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک اپنے نوکر کو وہ کھلائے جو خود کھائے، وہ پہنائے جو خود پہنے، ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ اس پر نہ ڈالے، پس اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام ان کے کندھوں پر ڈال دو تو ان کی مدد اور اعانت کرو[54]۔

چنانچہ قائد اور ذمہ دار کے لئے اپنے ماتحتوں کے حالات سے باخبر رہنا ضروری ہے تاکہ وہ ان کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔ اس لئے قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق واقعہ ہے جنہیں اللہ نے عظیم الشان سلطنت عطا کی تھی وہ اتنی عظیم سلطنت کے ہوتے ہوئے ہدہد سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا کہ کیا ہو گیا مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا ہے وہ غائب ہے۔"[55] اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے، ماتحتوں کے متعلق کتنے فکر مند تھے۔ اسی طرح حضرت عمر رعایا کی خبر گیری کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ اسی لئے آپ نے کہا "اگر فرات کے کنارے بکری بھی مر گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا[56]۔

13: جسمانی ساخت کی اہمیت

ایک قائد اور ذمہ دار کی من جملہ خوبیوں میں سے ایک خوبی جسمانی طور پر تندرست اور قد و قامت کا مالک ہونا بھی ہے۔ کیونکہ جسمانی طور پر معذور شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کے کام آسکے یا دوسروں سے کام لے سکے اسی لئے اللہ رب العزۃ نے طالوت علیہ السلام کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ پاک نے اسے اپنی قوم سے علم اور جسم میں فوقیت بخشی ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے اس موقع پر علم کو جسم پر مقدم کیا جیسے کہ ارشاد ہے۔ "وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ[57] "بلاشبہ تمام نعمتوں میں سے بھلی نعمت صحت کی سلامتی ہے۔ لہذا صحت اور جسامت کی نعمت مال و دولت کی نعمت سے زیادہ اشرف ہے۔ دوسری طرف جب علم کی نعمت جسامت کی نعمت سے افضل ہے تو لامحالہ مال و دولت کی نعمت سے بھی اعلیٰ و اشرف ہے[58]۔

اسی طرح محمد المکی الناصری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت متعدد اہم خصوصیات کی نشاندہی کرتی ہے جو قائد اور

اعلیٰ قائد میں درکار ہیں۔ اور یہ کہ ریاست کی قیادت کا اہل صرف وہ شخص ہے جس کو خدا نے بھرپور روحانی اور جسمانی خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا ہو، باقیوں پر اس کو برتری اور فوقیت حاصل ہو، اور تمام لوگوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو۔ اس آیت اور اس جیسی دوسری آیات سے علمائے شریعت نے (شاہی احکام) وضع کیے ہیں جو اسلامی فقہ (جدید قانون اور آئینی حکم) کے مطابق ہیں اور امامت عظمیٰ کیلئے لازمی شروط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس علماء نے ان میں سے سرفہرست علم کا ذکر کیا ہے، جو اجتہاد اور مستقبل میں پیش آنے والے مسائل پر گہری نظر اور رعایا و عوام کی مصالح اور امور کی انجام دہی کا باعث بنے۔ وہ علم جو بہادری اور شجاعت کا سبب بنتا ہے جس سے جذبہ حمیت پیدا ہوتی ہے، دشمن کو پسپا کیا جاتا ہے، اور اعضاء و حواس کی سلامتی امام کو عوام کی خبر گیری کی راہ میں حائل ہر نقص اور کمی کو دور کرنے کا باعث بنتا ہے [59]۔

اسی طرح علامہ ماوردی فرماتے ہیں۔ وہ شرائط جو قائد اور امام میں پائے جانے چاہیں۔ ان میں سے سماعت، بینائی اور زبان کی سلامتی ہے تاکہ ان سے کام لیا جا سکے۔ اسی طرح اعضاء کا ایسے عیب سے پاک ہونا ضروری ہے جو حرکت کرنے اور جلدی اٹھنے کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں مطلق جسمانی نقائص کی تفصیل بیان فرمائی ہے جو خلیفہ کو اپنا کام انجام دینے سے روکتے ہیں، جیسے اندھا یا بہرا، بہرا، یا کٹے ہاتھ، یا پیر، اس معاملے میں امیدوار خلیفہ بننے کا اہل نہیں ہے۔ اگر وہ ایک کان سے بہرا یا ایک آنکھ سے اندھا ہو، یا اس کا ایک ہاتھ کٹ گیا ہے، تو اس صورت میں امیدوار صدارت کا اہل بنے گا [60]۔

انہی صفات کو پیش نظر رکھ کر سرکاری ملازمتوں میں تقرری سے پہلے Medical Fitness certificate لانا ضروری ہوتا ہے اور دوسری جانب معذور افراد کے لئے الگ مختص کوٹہ رکھا جاتا ہے تاکہ ان کی محرومیاں بھی دور ہو سکیں۔

14: قوتِ فیصلہ کی موجودگی

قوتِ فیصلہ سے مراد زمینی حقائق کو مد نظر رکھ کر بروقت مناسب فیصلے کرنے کی اہلیت کا موجود ہونا۔ عام حالات کی طرح ہنگامی صورتِ حال کے دوران ہر شخص کے پاس فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہوتی ہے۔ ایک کامیاب ذمہ دار، مشکل اور سخت حالات میں بھی اپنی قوت و صلاحیت کی بنیاد پر اہم فیصلے لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کامیاب قائد فیصلہ کرنے میں اپنی ساتھیوں کے تجربہ کار اور اہل علم افراد کی تجاویز و آرا پر ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آراء و تجاویز کی رد و قبول میں ان کی عزت نفس کا خصوصی خیال رکھتا ہے۔ اگر قائد ان امور پر توجہ نہیں دے گا تو اپنے ماتحتوں کے صحیح مشوروں سے بے خبر رہے گا۔ ایک اچھا قائد حقائق کو دیکھنے کے بعد حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا اہل ہوا کرتا ہے۔

اس بارے میں قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال ذکر کی ہے۔ کہ جب ان کے پاس دو بھائی اپنا جھگڑا لے آئے تو انہوں نے ان کا موقف سننے کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کر رہا ہے۔ چنانچہ باری تعالی نے اسے یوں ذکر فرمایا ہے۔ "قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجه" [61] کہ تحقیق آپ کے بھائی کا آپ کا بھیڑ اپنے بھیڑوں کے ساتھ ملانے اور قبضہ کرنے کا ارادہ ظلم کے زمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حقائق اور جانبین کا موقف سمجھنے کے بعد فوری طور پر فیصلہ فرما دیا۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ بلقیس کو قبولیت اسلام کا خط بھیجا تو انہوں نے اپنے وزراء اور مشیروں کو جمع کر کے رائے لی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بڑے طاقتور اور جنگجو ہیں باقی فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی طرف سے پوری یقین دہانی کرائی۔ اس کے

باوجود ملکہ بلقیس نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ جب بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں۔اور وہاں کے شرفاء کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ انکار کی بجائے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمانے کا ارادہ فرمایا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ[62]۔اگر دیکھا جائے تو دربار میں موجود افراد نے جنگ جیت جانے کیلئے ضروری اشیاء یعنی قوت اور جنگی مہارت کی یقین دہانی کرادی تھی۔اس کے باوجود وہ اس ظاہری اسباب کا شکار نہیں ہوئی بلکہ اپنی خداداد صلاحیت پر فوراً جنگ کا انجام بھانپتے ہوئے دوسرا فیصلہ فرمادیا جسے وقت نے درست ثابت کردیا۔

غزوہ احد کے موقع پر جب آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا اور اکثریت کی رائے باہر نکل کر جنگ کرنے کی تھی اور آپ ﷺ نے فیصلہ فرما کر جنگی لباس پہنا تو صحابہ کرام کو کچھ ملال ہوا کہ شاید آپ ﷺ ہماری وجہ سے جنگ پر جارہے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے فیصلہ کو پختہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ جنگی لباس پہن کر بغیر لڑے اس کو اتار دے۔اور مرد مجاہد بن کر ڈٹے رہے اور برابر دشمنوں کے وار سہتے رہے اور مسلمانوں کا حوصلہ بھی بڑھاتے رہے۔یہ واقعہ جہاں آپ علیہ السلام کی شجاعت اور بہادری کی مثال ہے وہاں آپ علیہ السلام کے قوت فیصلہ کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔کہ آپ علیہ السلام نے بروقت فیصلہ فرمایا کہ اب ڈٹ جانے اور سیسہ پلائی دیوار بن جانے کا وقت ہے۔[63]

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو کچھ لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا کہ آپ کیسے ان کے خلاف جہاد کریں گے؟ کیونکہ یہ تو کلمہ کا اقرار کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں جسے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں دیتے تھے تو میں ان کے خلاف لڑوں گا۔ جیسے کہ ان کا قول ہے۔"والله لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم على منعه[64]"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بروقت اور اچھا فیصلہ کیا اور اہل اسلام کیلئے رہتی دنیا تک ایک مثال قائم فرمائی۔

خلاصۃ البحث:

اس مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی ذمہ داری کو اٹھانے سے پہلے اس شخص میں اہلیت کی درج بالا مذکورہ صفات کا دیکھنا ضروری ہے اس لئے کہ کوئی ذمہ داری اٹھانا یا حوالہ کرنا ایک امانت ہے اور امانت کو ان کے اہل لوگوں تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (حوالہ)۔عصر حاضر میں جہاں کرپشن اور رشوت کا بازار گرم ہے اور عہدوں کی تقسیم یا تو اقرباپروری کی بنیاد پر ہو رہی ہے اور یا رشوت و لالچ کی بنیاد پر، ایسے حالات میں میرٹ اور اہلیت کا خیال رکھنا، نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی ہے بلکہ معاشرتی ناسور کے خاتمے میں اپنا حصہ بھی ڈالنا ہے۔اس مقالے میں بیان کردہ صفات نہ صرف ایک حاکم اور امام کے لئے ضروری ہے بلکہ ہر بڑی ذمہ داری اور عہدہ داری کے لئے ان کا کسی فرد میں موجود ہونا ازحد اہم ہے۔عہدہ داروں کے انتخاب میں ان صفات کی عدم موجودگی کی وجہ سے آج معاشرتی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے جو تمام انسانوں کے لئے معاشرتی، معاشی، سماجی اور خانگی مسائل کا سبب بن رہے ہیں۔اہل لوگوں کو ان کا حق نہ ملنے کی وجہ سے وہ لوگ یا تو چوری، ڈاکہ زنی اور دہشت گردی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں جو کسی بھی معاشرے کے لئے زہر قاتل ہوا کرتے ہیں تو دوسری طرف نااہل لوگوں کو عہدوں

کی سپردگی کی وجہ سے کرپشن اور حرام خوری کے اسباب بڑھ جاتے ہیں۔ جو ریاستی اداروں کی تباہی پر منتج ہوتے ہیں جس کاخمیازہ پوری قوم نے بھگتناپڑتاہے۔ لہٰذا معاشرتی امن وامان اور خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ امام، حاکم، قاضی، ذمہ دار، عہدیدار اور موجودہ زمانے میں قوم کے لئے منتخب ممبرانِ اسمبلی بنانے کے لئے ان صفات کے متصف لوگوں کوآگے لایاجائے تاکہ وہ حقیقی معانی میں عوام الناس کی خدمت کرکے معاشرتی برائیوں کاخاتمہ کرسکیں اور انسانیت اپنے نیک مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوسکے۔

تجاویز:

اس مختصر تحقیق کی بنیاد پر درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

۱:Selection اور Election میں ہر انتخاب کرنے والا، ان صفات کاخیال رکھے۔

۲: قوم کے منتخب نمائندوں کے لئے خصوصاً اور عام تعیناتی کے لئے عموماً، مذکورہ بالاصفات کو قانونی طور پر لازمی قرار دیاجائے۔

۳: جس طرح ہر شخص ذاتی طور پر اپنے لئے یا اپنے ذاتی ادارے کے لئے، اس طرح کے اہل لوگوں کی تلاش میں رہتاہے اسی طرح ریاستی اداروں کے ساتھ بھی اخلاص کامظاہر کرکے اہل لوگوں کی تعیناتی کی جائے اور غلط طریقے سے تعیناتی کوروکاجائے۔

۴: حکومتی سطح پر خصوصاًایسے ذمہ دار افراد کے لئے اس طرح کے سیمنارز کاانعقاد کیاجائے جہاں ان کومیرٹ کی شرعی اہمیت اور نااہل لوگوں کی تعیناتی پر اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے بیان کردہ وعیدات کاعلم ہوجائے۔

۵: نااہل افراد کی تعیناتی پر، ملوث افراد کی سزاؤں کے لئے ایسی قانون سازی کی جائے جس کی بناء پر اس لعنت سے معاشرہ پاک ہوجائے۔

۶: قوم کے باشعور طبقے کواور خصوصاً علمائے کرام کوچاہیے کہ وہ اس ذمہ داری سے قوم کوآگاہ کریں۔

حوالہ جات

---

1 ۔ الرازي، فخر الدين، أبوعبدالله، التفسير الكبير، دار احياء التراث العربي، بيروت، طبع: دوم ۱۴۲۰ھ، ج ۲، ص ۳۹

2 ۔ [الزُّمرِ:۹]

3 ۔ [المجادلة:۱۱]

4 ۔ الزحيلي، وهبه بن مصطفى، التفسير الوسيط للزحيلي، دار الفكر، دمشق، طبع: أول، ۱۴۲۲ھ، ج ۱، ص ۲۳

5 ۔ (النمل:۱۵)

6 ۔ القرطبي، شمس الدين، أبوعبدالله، تفسير القرطبي، الناشر: دار الكتب المصريه، القاهرة، طبع دوم، ۱۹۶۴ء، ج ۱۳، ص ۱۶۴

7 ۔ (سبا:۱۰)

8 ۔ ابن كثير، أبوالفداء، إسماعيل بن عمر، تفسير القرآن العظيم، دار طيبه للنشر والتوزيع، طبع دوم ۱۹۹۹ء، ج ۶، ص ۴۹۷

9 ۔ [البقرة:۲۵۱]

10 ۔ [البقرة:۲۴۷]

11 ۔ أبوالسعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى، تفسير أبي السعود، إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، دار احياء التراث العربي، بيروت، ج ۱ ص ۲۴۰

12 ۔ أبو بکر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد، الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، مکتبة الرشد، الریاض، طبع أول، ۱۴۰۹ھ

13 ۔(یوسف: ۵۵)

14 ۔ البصری، أبو عروة، معمر بن أبي عمرو، الجامع، المجلس العلمی باکستان، وتوزیع المکتب الاسلامی بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۳ھ، ج ۱۱، ص ۱۵۷

15 ۔ الکسّی، أبو محمد عبد الحمید بن حمید بن نصر، المنتخب من مسند عبد بن حمید، دار بلنسیہ للنشر والتوزیع، طبع دوم ۱۴۲۳ھ، ج ۲، ص ۲۳۰

16 ۔ الشیبانی، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل،، دار الحدیث القاہرة، طبع أول، ۱۹۹۵ء، ج ۴، ص ۴۰۱

17 ۔(آل عمران۔۱۵۹)

18 ۔ ابن أبي حاتم، أبو محمد عبد الرحمن بن محمد، تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم، مکتبہ نزار مصطفی الباز، سعودی عرب، طبع دوم، ۱۴۱۹ھ، ج ۳، ص ۸۰۱

19 ۔ حوالہ بالا

20 ۔ الشوری: ۳۸

21 ۔ آل عمران: ۱۵۹

22 ۔ النمل: ۳۲

23 ۔ السبا: ۴۶

24 ۔ أبو جعفر الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، طبع أول، ۱۴۲۰ھ، ج ۷، ص ۳۴۵

25 ۔ أبو داود السِّجِسْتانی، سنن أبي داود، دار الرسالة العالمیة، طبع أول، ۱۴۳۰ھ، ج ۷، ص ۷۴۷

26 ۔ آل عمران: ۱۵۹

27 ۔ مسلم بن الحجاج، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول الله ﷺ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۴، ص ۲۰۰۴

28 ۔ البقرة: ۱۵۳

29 ۔ الانفال: ۶۵

30 ۔ الہیثمی، المقصد العلی فی زوائد أبي یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ج ۲، ص ۴۳۰

31 ۔ المائدة: ۸

32 ۔ السجستانی، أبو داود سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود، وزارة الأوقاف المصریہ وأشار والی جمعیة المکنز الإسلامی، ج ۴، ص ۲۳۰

33 ۔ الأصبھانی، أبو نعیم، الأربعون علی مذہب المتحققین من الصوفیة، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، طبع اول، ۱۹۹۳ء، حدیث نمبر ۲۷، ج ۱، س ۵۹

34 ۔ الانعام: ۱۰۸

35 ۔ الحاکم النیسابوری، محمد بن عبد الله أبو عبد الله المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع أول، ۱۹۹۰ء، ج ۲، ص ۶۴۹

36 ۔(المؤمنون: ۰۸)

37 ۔(الاسراء: ۳۴)

38 ۔ الصحیح للبخاری، باب علامة المنافق، حدیث نمبر ۳۳

39 ۔ الأصفھانی، الراغب، أبو القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، الدار الشامیہ، دمشق بیروت، طبع أول ۱۴۱۲ھ، ج ۱، ص ۳۱

40۔ أبو حیان محمد بن یوسف بن علی أثیر الدین الأندلسی، البحر المحیط فی التفسیر، دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۲۰ھ، ج۲، ص ۴۸۴

41۔ حوالہ بالا، ج۱، ص ۶۲۶

42۔ (البقرہ: ۱۲۹)

43۔ (البقرہ: ۲۵۱)

44۔ (البقرہ: ۲۶۹)

45۔ (یوسف: ۵۵)

46۔ الطبری، أبو جعفر، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع أول، ۱۴۲۰ھ، ج۱۶، ص ۱۴۹

47۔ (القصص: ۲۶)

48۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ج۶، ص ۶۳۰

49۔ البخاری، صحیح البخاری، باب من سئل علما وھو مشتغل فی حدیثہ، فاتم الحدیث ثم أجاب السائل، حدیث نمبر ۵۹

50۔ علی صبح، التصویر القرآنی للقیم الخلقیہ والتشریعیہ: المکتبۃ الأزہریہ للتراث، ج۱، ص ۳۰۱

51۔ أبو داود، سنن أبی داود، دار الرسالۃ العالمیہ، طبع أول، ۱۴۳۰ھ، ج۵، ص ۴۳۳

52۔ مسلم بن الحجاج، أبو الحسین، الصحیح لمسلم، دار الجیل بیروت + دار الأفاق الجدیدۃ۔ بیروت ج۶، ص ۱۱

53۔ ابن زنجویہ، أبو أحمد حمید بن مخلد، الأموال لابن زنجویہ، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الإسلامیہ، السعودیہ، طبع أول، ۱۴۰۶ھ، ج۲، ص ۵۹۳

54۔ العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج۵، ص ۱۷۳

55۔ (النمل: ۲۰)

56۔ الأصبھانی، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت، طبع چہارم، ۱۴۰۵، ج۱، ص ۵۳

57۔ [البقرہ: ۲۴۷]

58۔ الرازی، مفاتیح الغیب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، طبع أول، ج۲، ص ۱۸۴

59۔ محمد المکی الناصری، التیسیر فی أحادیث التفسیر، دار الغرب الإسلامی، بیروت، لبنان، طبع أول، ۱۴۰۵ھ، ج۱، ص ۱۶۰

60۔ الماوردی، أبو الحسن علی بن محمد، الأحکام السلطانیہ، دار الحدیث، القاہرۃ، ج۱، ص ۱۹

61۔ (ص: ۲۴)

62۔ (النمل: ۳۴)

63۔ البخاری ۃ باب قول اللہ تعالی: {وأمرھم شوری بینھم}

64۔ البیھقی، السنن الصغیر للبیھقی، موقع جامع الحدیث، ج۳، ص ۲۱۰

References

1. Al-Razi, Fakhr al-Din, Abu 'Abd Allah, al-Tafsir al-Kabeer, Dar-i-Ihya al-Tarathal-Arabi, Beirut, vol.2, p. 39
2. [Al-Zamar: 9]
3. [Al-Majdalah: 11]

4. Al-Zahayli, Wahb ibn Mustafa, al-Tafseer al-Wasit al-Zahail, Dar al-Fikr , Damascus, vol.1, p.23
5. (Al-Namal:15)
6. Al-Qurtabi, Shams al-Din, Abu 'Abd Allah, Tafseer al-Qurtabi, al-Nashr: Dar al-Katab al-Misri, al-Qahra,Taba'id II, 1964, vol. 13, p. 164.
7. (Saba:10)
8. Ibn Kathir, Abu al-Fida, Isma'il ibn 'Umar, Tafseer al-Qur'an al-'Azeem, Dar-e-Ta'ib al-Nashr wa'l-Tuza'i, vol. 6, p.497.
9. [Al-Baqara: 251]
10. [Al-Baqara: 247]
11. Abu al-Saud al-'Amadi Muhammad bin Muhammad bin Mustafa, Tafseer Abi al-Saud, Irshad al-Iqiq al-Salim, Al-Mazaya al-Kitab al-Kareem, Dar-i-Ihya al-Tarath al-Arabi, Beirut, vol.1, p.240.
12. Abu Bakr ibn AbiShaybah, 'Abd Allah ibn Muhammad, al-Kitab al-Lekhak fi al-Ahadith wa'l-Athar, Maktabal-Rashad, al-Riyadh, Al-Taba'id, 1409 A.H.
13. (Yousuf: 55)
14. Al-Basir, Abu 'Urwa, Mu'ammar ibn Abi 'Amr, al-Jami, al-Majlis al-'Ilmiyyah, al-Qastan, Watuzi al-Maktab al-Islami Beirut, vol. 2 , vol.11, p.157.
15. Abu Muhammad 'Abd al-Hamid ibn Humayd ibn Nasr, al-Mantahab min Musnad 'Abd al-Humayd, Dar-e-Balnisih l-Nashr wa'l-Tuzi, vol.2, p.230.
16. Abu 'Abd Allah Ahmad bin Muhammad bin Hanbal, Musnad al-Imam Ahmad bin Hanbal, Dar-ul-Hadeeth al-Qa'ah, Vol.4, p.401.
17. (Al-Imran) 159)
18. Ibn Abi Hatim, Abu Muhammad 'Abd al-Rahman ibn Muhammad, Tafseer al-Qur'an al-'Azeem ibn Abi Hatim, Maktaba Nazar Mustafa al-Baz, SaudiArabia, Vol. 2, p. 3, p.801
19. Reference Above
20. Al-Shuri:38
21. Al-Imran: 159
22. Al-Namal:32
23. Al-Sabah:46
24. Abu Ja'far al-Tabari, Jami al-Bayan fi Ta'wa'il al-Qur'an, Vol . 7, p. 345
25. Abu Dawud al-Sajistani, Sunan Abi Dawood, Dar al-Rasalal-Alamiyyah, vol. 7, p. 747.
26. Al-Imran: 159
27. Muslim ibn al-Hajjaj, al-Musnad al-Saheeh al-Saheeh al-Khattab bin Qiq al-'Adl an al-'Adl, the Messenger of Allaah (peace and blessings of Allaah be upon him), Dar-i-Ihya al-Tarath al-Arabi, Beirut, vol. 4, p. 2004.
28. Al-Baqara: 153
29. Al-Anfal:65
30. Al-Haythami, Al-Muqaddiq al-'Ali yafi'i Zawaid ab ya'ala al-Mu'sal, Dar al-Katab al-Ilmiyyah, Beirut, Lebanon, vol. 2, p. 430.
31. Al-Ma'ida:8
32. Al-Sajistani, Abu Dawud Saliman bin Al-Ash'ath, Sunan Abi Dawood, Wazirat al-Awqaf al-Misri wa Sharwa al-Jama'at al-Makanz al-Islami, vol.4, p.230.
33. Al-Asbahan, Abu Nayeem, Al-Rab'un al-Madhab. al-Mutahaqiqeen min al-Sufiah, Dar Ibn Hazm, Beirut, Lebanon, Vol. 1, p. 59, Hadith No. 27, vol.1, p.59
34. Al-Anam : 108
35. Al-Hakam al-Nisaburi, Muhammad b. 'Abd Allah Abu 'Abd Allah al-Mustadrak 'Ala al-Saheehin, Dar al-Katab al-Ilmiyyah, Beirut, Vol.2, p.649
36. (Al-Mu'minun:08)
37. (Al-Asra:34)
38. Al-Sahih al-Bukhaari, Bab Allama al-Munafiq, Hadith No. 33

39. Al-Asfahani, al-Raghib, Abu al-Qasim al-Husayn ibn Muhammad, al-Mufradatfi Gharib al-Qur'an, Dar al-Kalam, al-Dar al-Shamih, Damascus Beirut, vol. 1, p. 31
40. Abu Hayyan Muhammad bin Yusufbin Ali Athir al-Din al-Andalusi, al-Bahr al-Muhit fi al-Tafseer, Dar al-Fikr, Beirut, Vol. 2, p. 484
41. Quoted above, vol.1, p.626
42. (Al-Baqara: 129)
43. (Al-Baqara: 251)
44. (Al-Baqara: 269)
45. (Joseph: 55)
46. Al-Tabari, Abu Ja'far, Jami al-Bayan fi Ta'wa'il al-Qur'an, Mu'assat al-Rasalah, vol. 16, p. 149
47. (Al-Qass: 26)
48. Mufti Muhammad Shafi, Ma'arif-ul-Quran, Maktaba Ma'arif-ul-Quran Karachi, vol. 6, p. 630
49. Al-Bukhaari , Saheeh al-Bukhaari, Bab min sa'il ulama wa hu mashtaghul fi hadeeth, Fatum al-hadeeth thaam ajab al-sa'il, hadith no. 59
50. Al-Subah, Al-Tasweer al-Qur'an, Vol . 1, p.301.
51. Abu Dawud, Sunan Abi Dawood, Dar al-Rasalal-Alamiyyah, vol. 5, p. 433
52. Muslim ibn al-Hajjaj, Abu al-Husayn, al-Saheeh al-Muslim, Dar al-Jalil Beirut + Dar al-Afaq al-Jadidah Beirut, vol. 6, p. 11
53. Ibn Zanju'ah, Abu Ahmad Humayd ibn Makhlad, Al-Amwal laban Zanjawih, Markaz al-Mulk Fisal al-Bahooth wal-Rasat al-Islamih, al-Saudiyyah, vol.2, p.593
54. Al-Asqalani, Fath al-Bari Sharh Saheeh al-Bukhaari, Dar al-Ma'rifa, Beirut, 1379 AH, vol. 5, p.173
55. (Al-Namal: 20)
56. Abu Nayeem Ahmad ibn 'Abd Allah, Al-Hiliyyah al-'Awlia wa'l-Tabaqat al-Asfiyyah, Dar al-Kitab al-'Arabi, Beirut, Vol. IV , vol. 1, p.53
57. [Al-Baqara: 247]
58. Al-Razi, Mafatih al-Ghayb, Dar-ul-Katab al-Ilmiyyah, b. Erut, 1421 AH, Vol. 2, p. 184
59. Muhammad al-Maqi al-Nasiri, al-Taysir fi Ahadith al-Tafseer, Dar al-Gharb al-Islami, Beirut, Lebanon, vol. 1, p. 160.
60. Al-Mawardi, Abu l-Hasan 'Ali ibn Muhammad, Al-Ahkam al-Sultani, Dar al-Hadeeth, al-Qa'ah, vol. 1, p.19.
61. (P. 24)
62. (Al-Namal: 34)
63. Al-Bukhaari(May Allaah have mercy on him) said:
64. Al-Bayhaqi, al-Sunan al-Sa'ni al-Bayhaqi, Al-Mu'min al-Jami al-Hadeeth, vol.3, p.210.